شہاب الدین محمد شاہ جہاں کے عہد حکومت میں فنون لطیفہ: ایک تحقیقی جائزہ

Fine Arts in the Era of Shahab ud Din Shah Jahan: An Analytical Study

منزہ حیات[i] سید نعیم بادشاہ بخاری[ii]

Abstrac

Fine Art open up the possibilities for a human being by creating creativity in his life, giving him the opportunity to create color in his life. It is the fine arts that enhance the economic, social, cultural and creative environment of human life. The fine arts relate to humans at all stages of life, in various forms. Performances are the best expression of the aesthetic sense of a particular group; With regard to the fine arts in the subcontinent, it has been of special importance. In this article, it has examined the extent to which the arts developed during the reign of Mughal ruler Shahāb ud Dīn Shāh Jahān in the subcontinent. What has the impact on the quality of life and how this development has impacted social evolution? A look at the history makes it clear that although the Muslim period in the subcontinent had begun long ago, it was the Mughal family who Special attention was paid to the fine arts. Various arts developed during different Mughal emperors.

Key Words: Fine Arts, Sub Continent, Shah Jahan, Poetry, Literature, Painting

تمہید

فنون لطیفہ انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو ابھار کر انسان کو اپنی زندگی میں رنگینی پیدا کرنے کا موقع دیتے ہوئے اس کے لیے ممکنات کے نئے در وا کرتے ہیں۔ یہ فنون لطیفہ ہی ہوتے ہیں جو انسانی زندگی کے سماجی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی اور تخیلاتی ماحول کو پروان چڑھاتے ہیں۔ فنون لطیفہ کا تعلق انسان کے ساتھ مختلف حالتوں اور صورتوں میں عمر کے ہر مرحلے میں رہتا ہے۔ فنون لطیفہ کسی خاص گروہ کی جمالیاتی حس کا بہترین اظہار ہوتے ہیں, کسی خاص علاقے کے فنون لطیفہ اس علاقے کے لوگوں کی ذہنیت کے عکاس ہوتے ہیں۔ برصغیر پاک وہند میں فنون لطیفہ کے حوالے سے خاص اہمیت رہی ہے۔ زیر نظر مقالہ میں اس بات

i اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
ii چیئرمین، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، زرعی یونیورسٹی، پشاور

کا جائزہ لیا گیا ہے کہ برصغیر پاک وہند میں مغل حکمران شاہ جہاں کے دور میں فنون لطیفہ نے کس حد تک ترقی کی اور اس ترقی کا معیار زندگی پر کیا اثر پڑا اور یہ ترقی معاشرتی ارتقاء پر کس طرح اثر انداز ہوئی۔ تاریخ پر ایک نظر واضح کر دیتی ہے کہ اگرچہ برصغیر پاک وہند میں مسلم دور کا آغاز بہت پہلے سے ہو گیا تھا مگر یہ مغلیہ خاندان تھا جس نے فنون لطیفہ کی طرف خاص توجہ دی۔ مختلف مغل شہنشاہوں کے دور میں مختلف فنون نے ترقی کی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک خاص علاقے اور دور کے فنون لطیفہ میں اس دور کے سماجی، سیاسی، اخلاقی، مذہبی، اجتماعی اور معاشرتی عوامل کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ اسی لیے بہتر ہو گا کہ مغلیہ دور میں پنپنے والے فنون لطیفہ کو اسی دور کے عوامل کی رو سے دیکھا جائے کیونکہ اگر کسی عمل سے اس کے محرکات الگ کر دیئے جائیں تو اس عمل کے نتائج بدل جاتے ہیں بالکل اسی طرح یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ مغل خاندان تیمور اور چنگیز خان کی اولاد میں سے تھا جنھوں نے سولہویں صدی سے انیسویں صدی تک جنوبی ایشیاء، ایشیائے کوچک، اور مشرق کے کچھ علاقوں پر حکومت کی۔ مغلوں کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ ایک وسیع آبادی والے ملک میں ان کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے، اس لیے ضروری ہے کہ لوگوں کے ذہنوں میں ان کی عظمت حاوی ہو۔ اس کے لیے تعمیرات سے بہتر کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ پس تعمیرات کے ذریعہ نہ صرف انہوں نے اپنے وجود کا احساس دلایا بلکہ ہندوستانی وایرانی تہذیب کے ملاپ سے اک نئی تہذیبی شکل رونما ہوئی جس سے مختلف پس منظر رکھنے والے لوگ ایک دوسرے کے قریب آگئے۔ برصغیر پاک وہند کی مسلم دور کے فنون لطیفہ کو اس دور کے حکمرانوں کا اپنی شناخت کا ایک ذریعہ سمجھنا چاہیے جو مشترکہ تہذیبی رنگ لیے ہوئے ہے۔ آج جبکہ زندگی کے تقاضے بدل چکے ہیں، دنیا ایک گلوبل ویلج بن چکی ہے جس میں اپنی نسل قوم اور علاقے پر فخر کی بجائے مشترکہ انسانی اچھائیوں کو ترجیح دی جاتی ہے اور کسی بھی انسانی مسئلے سے مل کر مقابلہ کیا جاتا ہے۔ کامیاب قوموں کے لیے ماضی ہمیشہ سے ایک صراط مستقیم کا ذریعہ رہا ہے، یقیناً قومیں اپنے آج کا ماضی سے مقابلہ کر کے اپنے ارتقاء کا جائزہ لیتی ہیں۔

مغل دور حکومت میں جہانگیر (1605۔1627) کے بعد اس کا بیٹا خرم 1627 میں شہاب الدین محمد شاہ جہاں کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ خرم شاہجہاں 1592 میں لاہور میں پیدا ہوا، اکبر بادشاہ (1556۔1605) نے اپنی زیر نگرانی تعلیم کا انتظام کیا۔ چار سال کی عمر میں تعلیمی سلسلہ شروع ہوا، خرم کے اساتذہ میں قاسم بیگ تبریزی، حکیم ودائی گیلانی ، شیخ ابوالخیر سردار ابوالفضل اور وجیہہ الدین گجراتی شامل تھے[1]۔ 1645 میں آگرہ آتے ہوئے شاہ جہاں نے دلی کے افسروں کو حکم دیا کہ دلی کی عمارتوں کی تعمیر کا سلسلہ تیزی سے مکمل کیا جائے۔ دو مہینوں کے اندر ہی افسروں نے دہلی محل کو رہنے کے قابل

بنادیا اور شاہجہاں نے مارچ 1648 کو آگرہ چھوڑ دیا۔ سکندر لودھی کے زمانے سے مسلم حکمرانوں کا دارالسلطنت آگرہ تھا اب اس کی جگہ دہلی کو شاہجہاں آباد سے موسوم کر کے دارالسلطنت بنایا گیا۔ شاہجہاں نے اورنگزیب کی نظر بندی میں دس سال گزارنے کے بعد 1667 میں وفات پائی[2]۔

1. شاعری

شاہجہاں کے دور میں فنون لطیفہ کی تمام شاخوں پر کام کیا گیا اور حکومت کی طرف سے اس کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ زیر نظر دور میں مسلم غیر مسلم کی تفریق کیے بغیر حکومتی سطح پر شعراء، نثر نگاروں اور مصورین کی سرپرستی کی گئی۔ خالص فارسی کا سب سے معمر شاعر شاہجہاں کے دربار میں سعید ائی گیلانی تھا جو عہد جہانگیر سے داروغہ زر گرخانہ تھا۔ وہ قدیم وجدید مذاق کا مجموعہ تھا اس کے بعض قطعات بڑے حسین و دلکش ہیں۔ ہندی کے مشہور شاعر چندر بھان، چنتا منی اور راجہ شمبھو ناتھ اس کے دربار سے وابستہ رہے، ایک شاعر سرسوتی نے شاہجہاں کی فرمائش ہر ندا کل لتا تحریر کی۔ اس میں شاہجہاں، دارا شکوہ اور جہاں آراء کی تعریف میں نظمیں ہیں[3]۔ شاہجہاں جب کسی شاعر کی کویتا (نظم) سے خوش ہوتا تو اسے دو دو ہزار روپئے یا ہاتھی انعام میں دیتا[4]۔ ایک اور ہندی شاعر سرومنی نے شاہجہاں کی فرمائش پر ارو شتی نام کی ایک منظوم لغت تیار کی[5]۔ ذیل میں ان غیر مسلم شعراء کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اس دور میں اپنے فن میں ماہر تھے۔

اس زمانے میں جو ہندو شعراء دربار سے منسلک تھے ان کے نام درج ذیل ہیں: چندر بھان، سندر داس، چنتا منی اور کاؤند آچاریہ[6]۔

چندر بھان متخلص بہ برہمن (م 1663) دور مغلیہ میں پہلا ایسا ہندو شاعر تھا جو خداداد قابلیت سے متصف تھا۔ وہ لاہور کا باشندہ تھا، بردبار اور وسیع النظر آدمی تھا، نثر و نظم دونوں اصناف پر خوش اسلوبی سے یکساں طبع آزمائی کا ملکہ رکھتا تھا۔ اس کا دیوان چہار چمن مرصع و مسجع نثر نگاری کا نمایاں نمونہ ہے۔[7] شاہ جہاں کے دربار میں کبھی کبھار اسلام اور ہندو مذہب کی فضیلت پر کبھی کبھی نوک جھونک ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ شاہ جہاں کے سامنے کسی نے چندر بھان برہمن سے کہا کہ آپ مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے تو چندر بھان نے فی البدیہہ درج ذیل شعر پڑھا جس کی سب سے زیادہ داد خود شاہ جہاں نے دی۔[8]

مرا دلے است بکفر آشنا کہ چندیں بار

بہ کعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

چندر بھان نثر نگاری اور انشاپردازی میں ابوالفضل کا مقلد تھا۔ شعر پڑھتے وقت پلکیں بھیگی رہتیں اور دردمند دل میں معرفت

کا رنگ حاوی رہتا، اس کا کلام سادہ و برجستہ ہوتا، درویشانہ زندگی بسر کرتا۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے:۔ [9]

صفیر عدلیب از جا برد اہل محبت را

کہ حرفے گفت نادرانے دبرو ناز ندناخن

گرہ بہ زلف تو افتاد جائے آں دارد

کہ بہ زبان سخن مدعا گرہ گرود

سندر داس : ہندی میں شاہجہاں کے دربار سے منسلک کوئی رائے یا مہا کوی یعنی ملک الشعراء سندر داس تھا جو سندر شر نگار کا مصنف تھا۔ سندر داس برہمن گوالیار کا باشندہ تھا۔ اس کا سرپرست شاہجہاں تھا، چنانچہ پہلے تو اسے کوی رائے کا خطاب عطا کیا اور بعد میں اس کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر سابقہ کا اضافہ کر کے اس کو مہا کوئی رائے بنا دیا۔ کبھی کبھی اسے سیاسی ذمہ داریاں بھی سپُرد کی جاتیں، چنانچہ جھجھار سنگھ کی بغاوت سے پہلے مہا کوئی رائے کو بطور ایلچی گفت و شنید کے لیے اس کے پاس بھیجا گیا تھا۔ اس کی تصنیف سندر سر نگا ہندی عروض سے متعلق ہے، اس کی دوسری کتابوں کے نام سنگھاسن بتیسی اور بارہ ماسہ ہیں [10]۔

چنتامنی : یہ ضلع کانپور کا رہنے والا تھا۔ یہ چار بھائی تھے اور چاروں ہی شاعرانہ صلاحیتوں کے مالک تھے لیکن چنتا منی کو ان سب پر فوقیت حاصل تھی کیونکہ اس نے فن شاعری کو ایک نئی جہت دی تھی۔ وہ اپنے عہد کا عظیم ترین شاعر تھا۔ اسے بھی شاہجہاں کی سرپرستی حاصل تھی، اس کی چند تصنیفات کے نام یہ ہیں: چند وچار، کادے ویوک، کوئی کلپت رو اور کوئی پر کاش۔ اصل میں وہ برج بھاشا بولی کا شاعر تھا۔ اس کی رامائن اپنے پُراثر کویتا اور چھند کے لیے مشہور ہے [11]۔

کویند اچاریہ : یہ بنارس کا رہنے والا تھا۔ اس نے شاہجہاں اور اس کے بیٹوں کی تعریف میں "کویندر کلپ لتا" تصنیف کی۔ اس کی تصانیف برج بھاشا بولیوں کا حسین امتزاج ہیں۔ وہ سنسکرت میں بھی شاعری کرتا تھا اس نے یوگ وششٹ کی ایک تفسیر بھی لکھی [12]۔

شاہجہاں نے سنسکرت اور ہندی زبان کی جو سرپرستی کی وہ اس کی مذہبی رواداری کا ثبوت ہے۔ اس کا پسندیدہ شاعر جگنا تھ پنڈت راج تھا جو اس کی مدح میں قصائد کہتا رہتا، شاہجہاں نے اسے کو کوئی رائے کا خطاب دیا تھا اس کا حریف شاعر بنسی دھر مصرا تھا جو ممتاز محل کی تعریف میں برابر اشعار کہتا تھا۔ ایک دوسرا سنسکرت شاعر ہری نارائن مصرا بھی کافی عرصہ شاہی دربار سے جڑا رہا [13]۔

شاہجہاں نے موسیقی کی سرپرستی بھی کی، اس نے تخلیق نو کے اضافہ میں خاص دلچسپی کا ثبوت دیا۔ شاہجہاں کی پسندیدہ راگ دھرپد تھی اور جو موسیقار اسے انتہائی خوش اسلوبی سے پیش کرتا تھا۔ وہ تان سین کا داماد اور اس کے شاگرد کا شاگرد لال خان "گن سمندر" تھا۔ شاہجہاں کے دور میں فن موسیقی میں ہندوؤں میں سب سے اچھا گوّیا جگن ناتھ تھا، شاہجہاں کی اس پر غیر معمولی نظر عنایت تھی، اسے مہا کوی رائے کا خطاب بھی مل چکا تھا اور وہ اکثر و بیشتر شاہجہاں کی تعریف میں نظمیں کہتا اور ڈھیروں

انعامات پاتا۔اس دور کے دو ساز ندے بہت مشہور ہیں ایک سکھ سین وہ رباب بجانے میں ماہر تھا اور دوسرا سور سین بین بجانے میں ماہر تھا۔[14] شاہجہاں کو ہندی راگنیوں سے بھی دلچسپی رہی جن میں سے وہ راگ دھرپد کا بہت شوقین تھا۔ لہٰذا اس کے حکم پر دھرپد کے مشہور ماہر بخشو نایک نے ایک ہزار منتخب دھرپد جمع کر کے ایک کتاب میں سمو دیئے اور اس کا نام ہزار دھرپد نایک بخشور کھا[15]۔

2. نثر نگاری

خیالات کی ترجمانی کے لئے نثر ایک وسیع میدان ہے۔. مغلیہ دور میں ادیبوں نے لفظیات و ترنم کو ہم آہنگ کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ نثر نگاروں کی ایک بڑی جماعت نے تاریخی مواد کی ترتیب و تدوین پر اپنا وقت صرف کیا، نثر کی دوسری شاخ جس کو برآور کرنے میں مستقل مزاجی سے کام لیا گیا وہ خالص ادب کا فن تھا۔ مغلیہ دور میں فارسی چونکہ سرکاری زبان تھی اس لئے اس کو سب سے زیادہ فروغ دیا جاتا۔ ادب کا زبردست ذخیرہ اس زبان میں فراہم ہو گیا اس وقت تک دو مکتب فکر نمایاں طور پر وجود میں آگئے تھے۔ ایک ہندو ایرانی طرز اسلوب بیان کا نمائندہ تھا اور دوسرا خالص فارسی کا۔ اول الذکر اسکول کا پہلا ممتاز نمائندہ ابوالفضل تھا جس نے زبان و طرز بیان کو معیاری بنایا۔ اس نے اوق زبان اور پر پیچ اسلوب کا ایک ایسا نمونہ تیار کیا جس میں ترنم و لفظیات کی ضرورت پر بلند خیالی کو اکثر قربان کر دیا جاتا۔ اس دور حکومت میں ادیبوں کی ایک کثیر تعداد نے اس استاد کی تقلید میں جان فشانی کی لیکن چند مستثنیات کے علاوہ بہت کم اہل قلم کو خاطر خواہ کامیابی نصیب ہوئی۔ ایسے اہل قلم میں عبدالحمید لاہوری، محمد وارث، چندر بھان اور محمد صالح خاص طور پر قابل ذکر ہیں[16]۔

شاہجہاں نے سنسکرت اور ہندی زبان کی جو سرپرستی کی وہ اس کی مذہبی رواداری کا ثبوت ہے سنسکرت کے ایک مصنف منیشور نے علم نجوم پر سنسکرت میں ایک کتاب لکھ کر شاہجہاں کے نام سے معنون کی اسی طرح بھگوتی سوامن نے سنسکرت عروض سے متعلق ایک کتاب تحریر کی تو یہ بھی شاہجہاں کے نام سے معنون ہوئی، ویدرنگ راجہ نے بھی اپنی کتاب شاہجہاں کے نام سے معنون کی تھی[17]۔ شاہی دربار سے باہر اسی عہد میں مولانا عبدالرحمٰن چشتی نے مہادیو اور پارورتی کی گفتگو لکھ کر ہندوؤں کے نظریہ تحقیق کو سمجھایا [18]۔اسی دور میں شمس بازغہ کے مشہور مصنف ملا محمود جونپوری نے ہندوستان کے خاص فن نایکا بھید کا گہرا مطالعہ کیا اور اس پر ایک کتاب تحریر کی، مولانا نجم الدین حسن کے رسالہ شطاریہ میں ہندوؤں کے مراقبہ (سمادھی) کے طرقے تحریر کئے گئے ہیں۔ ریاجین البساتین میں نروہان (نجات) کی بحث کی گئی ہے۔ موبد کی دبستان المذاہب میں ہندوؤں کے مختلف فرقوں سے متعلق بہت مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں[19]۔اس دور میں صنائع و بدائع کا کثرت سے استعمال ہوا، اس ترقی یافتہ رنگین طرز تحریر کے نمونے باوجود متضاد مکتبہ کی نمائندگیر کے شاہ فتح کانگڑہ اور چہار چمن ہیں۔ ایک خالص ایرانی فارسی کا دوسرا ہندوستانی

فارسی کا نمونہ ہے۔ خیال کی مصوری اور زبان کی زرخیزی کے لحاظ سے آخر الذکر کو اول الذکر پر ترجیح حاصل ہے۔ نثر نگاروں کی ایک بڑی جماعت نے تاریخی مواد کی ترتیب وتدوین پر اپنا وقت صرف کیا، نثر کی دوسری شاخ جس کو برآور کرنے میں مستقل مزاجی سے کام لیا گیا وہ خالص ادب کا فن تھا۔[20] لغت میں چار کتابیں شاہجہاں کے نام سے معنون ہوئیں ان کے نام درج ذیل ہیں:

فرہنگ رشیدی، منتخب اللغات شاہجہانی از عبدالرشید ٹھٹھوی، چہار عنصر دانش از امان اللہ، شاہد صادق یہ کتاب سائنس، مذہب، فلفہ، سیاست، اخلاق اور نقشہء عالم کی قاموس ہے[21]۔ نثری ادب کا دوسرا نمونہ جس کی تجدید اکبر کے عہد کے بعد دارا شکوہ نے کی وہ سنسکرت کی فارسی کتب کا ترجمہ ہے۔ ہندو ہمہ اوست، اپنشد، بھگوت گیتا اور یوگ دششٹ کے اصطلاحی الفاظ کا ترجمہ خود اس نے کیا۔ اس کے منشی بنوالی داس نے پربودھ چندرادوے کا ترجمہ فارسی میں کیا، اس کا نام گلزار حال رکھا اور کسی ابن ہرکرن نے رامائن کا ترجمہ کیا[22]۔

شاہزادہ دارا شکوہ سنسکرت زبان کا بڑا قابل قدر عالم تھا۔ اس نے اپنی تصنیف حسنات العارفین میں شریعت وطریقت کفر وایمان، خیر وشر اور عبد ومعباد کی تفریق مٹانے کی سعی کی۔ دارا شکوہ نے فلفہ ویدانت پر مجمع البحرین ایک کتاب لکھی جس میں اس نے ہندو اور مسلمان نقطہء نگاہ کو ملا دیا[23]۔ اس کتاب میں اسلام اور ہندو مذہب وایک ہی سمندر کے دو دھارے بتایا اور یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلامی تصوف اور فلسفہ ویدانت میں لفظی اختلاف کے سوا اور کوئی فرق نہیں۔ یہ خیال کہاں تک درست تھا یا اس کے عقائد اسلامی عقائد کے مطابق تھے یا نہیں اس بحث سے قطع نظر اس نے ہندو مسلم دونوں کو قریب تر کرنے کی کوشش میں یہ کتاب تحریر کی[24]۔

مجمع البحرین تحریر کرنے کے بعد دارا شکوہ نے ہندومت کی کئی کتب کے تراجم کئے یا کروائے۔ اس نے 1067ھ میں اپنشد کے پچاس ابواب کا فارسی ترجمہ بنارس کے پنڈتوں کی مدد سے کیا۔ بھگوت گیتا کا ایک فارسی ترجمہ بھی اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے زمانہ کے بابا لال بیراگی کا بھی معتقد ہو گیا تھا جو دھیان پور (پٹیالہ) کا رہنے والا تھا اور اسے ایک عارف باللہ سمجھتا تھا۔ اس سے اس کی جو گفتگو ہوئی اس کو اس کے میر منشی چندر بھان برہمن نے مکالمہ دارا شکوہ و بابا لال بیراگی کے نام سے مرتب کیا۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ حق وصداقت کسی ایک مذہب کی ملکیت نہیں۔ دارا شکوہ نے سنسکرت کی ایک مشہور کتاب یوگ واسی شست کا بھی ترجمہ اپنے ایک درباری سے کروایا[25]۔ اس نے سفینۃ الاولیاء بھی تحریر کی۔ دارا شکوہ کی ان تحریروں میں بڑی مذہبی رواداری ہے لیکن راسخ العقیدہ مسلمان اس سے بد ظن ہو گئے کیونکہ ان کے خیال میں وہ حنفی المسلک اور سلسلہ قادریہ کا پیرو ہونے کی بجائے ہندو ہونے کی کوشش کر رہا ہے یا وہ اپنے عقائد کو ایسے دکھلانا چاہ رہا ہے کہ ہندو اس کی طرف راغب ہو کر تخت وتاج کے حصول میں اس کے معاون ثابت ہوں[26]۔ ذیل میں زیر نظر دور کے غیر مسلم نثر نگاروں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

1. لال جی داس

بابالال گرو(1014-1059) شاہجہاں کے زمانہ میں ایک عارف جوگی تھے، شاہزادہ داراشکوہ انہی کا مرید تھا، لال جی داس بابالال گرو کا چیلا تھا اس نے 1158ھ میں گرو کے حالات وملفوظات کو فارسی میں جمع کیا، گورنمنٹ کلیکشن لائبریری میں اس کا ایک نسخہ 41 گلوس عالم شاہی کا لکھا ہوا موجود ہے[27]۔

2. رائے بندرابن

رائے بہار امل کا بیٹا تھا، بہار امل نے تیس جلوس شاہجہاں میں حسن خدمات کے صلہ میں رائے کا خطاب پایا تھا۔ داراشکوہ نے اسے اپنا دیوان مقرر کیا تھا، اس کے بیٹے بندر رابن کو عالمگیر نے تربیت دی اور رائے کا خطاب دیا۔ بندر رابن نے لب التواریخ کے نام سے ایک کتاب تحریر کی تھی[28]۔

3. بنوالی داس

شہزادہ داراشکوہ کا میر منشی تھا۔ دلی اس کا نام تخلص میں داخل ہو گیا اس نے شاہان دہلی کی تاریخ لکھی کتاب کا نام راجا دلی ہے ۔اس کتاب کے قلمی نسخے اکثر کتب خانوں میں موجود ہیں[29]۔

اردو سولہویں صدی میں پیدا ہوئی، شروع میں مصنفین اور اعلیٰ سوسائٹی کے یہاں یہ بازاری زبان سمجھی جاتی تھی لیکن شمالی ہند میں اٹھارہویں صدی کے آخر میں یہ علمی زبان بن گئی۔ دکن میں ایک صدی پہلے اردو جسے ریختہ بھی کہتے تھے، شاعری کے اچھے اچھے نمونے پیش کئے گئے۔ ولی اورنگ آبادی اردو کے سب سے پہلے ممتاز شاعر سمجھے جاتے تھے۔ اکبر اور اس کے باج گذار حکمرانوں نے علوم وفنون کی بڑی سرپرستی کی جس کی وجہ سے سولہویں صدی کے آخر میں اور سترہویں صدی کے نصف تک ہندوستان میں علمی ترقی ہوئی۔ اس دور میں بنگال کی تاریخ سنسکرت میں شیخ سبودیا لکھی گئی جس میں ایک عجیب وغریب مخلوط زبان استعمال کی گئی، اسی دور میں شاہجہاں کے درباری چندر بھان برہمن کی فارسی تحریروں کی شہرت ہوئی اور اسی دور میں ہندی تصنیف مشر بندھو نود مشہور ہوئی[30]۔

ہندو سماج کا اعلیٰ طبقہ مسلمان حکمران طبقہ میں ضم ہو چکا تھا اور جہاں باضابطہ طور پر اس کا الحاق نہ ہوا تھا تو وہاں بھی دہلی اور صوبجاتی درباروں کی قدریں اور چلن رائج ہو چکے تھے اس کی مثالیں مرہٹہ پیشوا، سکھ رجواڑے، ہمالیہ کی دور دراز ریاستیں اور دکن کے سامنتوں غرضیکہ پورے ہندو سماج میں ملتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہندو امراء اور صوبیداروں نے مسلمانوں کا مذہبی نظریہ بھی اپنا لیا تھا۔ ترک اور مغل سامراج لوگوں کے مذہبی عقائد سے متصادم نہ تھا اس لیے عقائد اپنے اپنے تھے لیکن دونوں بندہ بارگاہ سلطانی تھے۔ اور اخلاق اور سیاست کی ان سب قدروں کو مانتے تھے جن پر یہ شہنشاہیت قائم ہوئی تھی

چنانچہ ہندو مذہبی کتب کے علاوہ ہر قسم کا ہندو ادب فارسی میں لکھا گیا اور اس دور میں وشنو پران، سکرانتی، بھگوت گیتا، پرانوں اور ویدوں کی تشریحات اور حاشیے اور دوسری اعلیٰ پایہ مذہبی کتب سنسکرت میں تصنیف ہوئیں۔ اس دور کے ہندو نقطہ نظر کو سمجھنے کے لیے ہمیں چندر بھان کی تصانیف کا مطالعہ کرنا ہوگا، جس میں اس کے مکاتیب، مذہبی مثنویاں اور اشعار سب شامل ہیں۔ ایک خط میں وہ اپنے بیٹے کو فارسی شاعری اور انشاء پردازی کی رغبت دلاتا ہے اور کم از کم ڈھائی سو ہمعصر اساتذہ کا کلام پڑھنے کا مشورہ دیتا ہے۔ اور اس بات پر وہ اصرار کرتا ہے کہ اس کا بیٹا اخلاق ناصری اور علم الاخلاق کی دوسری فارسی کتب کا مطالعہ ضرور کرے۔ یہی وجہ ہے کہ عالمگیر کے بعض مؤرخ اور مداح ہندو ہوتے ہیں، سجان رائے کی خلاصۃ التواریخ اس کی گواہ ہے۔ اسی طرح رام موہن رائے نے توحید پر اپنا رسالہ عربی میں تحریر کیا اور اپنا ہفتہ وار اخبار فارسی زبان میں شائع کیا۔ غرض مسلمان سلاطین کی تاریخ لکھتے وقت یہ بات ہم سب کے سامنے رہنی چاہیے کہ وہ مسلمانوں کے بادشاہ ضرور تھے لیکن اسلام کے مذہبی پیشوا اور صلحاء نہ تھے کہ جن کا ہر کام اور عمل برائیوں سے پاک اور کمزوریوں سے بالاتر ہوتا، اس لیے اگر انہوں نے اپنی سیاست میں کوئی نامناسب رویہ اختیار کیا تو آج ہمیں اس کے لیے معذرت نامہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ایسی کون سی قوم ہے جس کے حکمران ہر معیار پر اور ہر زمانے میں پورے اترے ہوں۔ تاریخ کا مقصد پروپیگنڈہ نہیں بلکہ وہ حکومتوں کی کہانی اور قوموں کی سوانح عمری ہوتی ہے لہٰذا اسی حیثیت سے ان واقعات کا تذکرہ کرنا چاہیے[31]۔

شاہجہاں نے سنسکرت اور ہندی زبان کی جو سرپرستی کی وہ اس کی مذہبی رواداری کا ثبوت ہے، سنسکرت کے ایک مصنف منیشور نے علم نجوم پر سنسکرت میں ایک کتاب لکھ کر شاہجہاں کے نام سے معنون کی۔ اسی طرح بھگوتی سوامن نے سنسکرت عروض سے متعلق ایک کتاب تحریر کی تو یہ بھی شاہجہاں کے نام سے معنون ہوئی، ویدرنگ راجہ نے بھی اپنی کتاب شاہجہاں کے نام سے معنون کی تھی۔[32] شاہی دربار سے باہر اسی عہد میں مولانا عبدالرحمٰن چشتی نے مہادیو اور پارورتی کی گفتگو لکھ کر ہندوؤں کے نظریہ تحقیق کو سمجھایا۔[33] اسی دور میں شمس بازغہ کے مشہور مصنف ملا محمود جونپوری نے ہندوستان کے خاص فن نایکا بھید کا گہرا مطالعہ کیا اور اس پر ایک کتاب تحریر کی۔ مولانا نجم الدین حسن کے رسالہ شطاریہ میں ہندوؤں کے مراقبہ (سمادھی) کے طریقے تحریر کئے گئے ہیں۔ ریاجین البساتین میں نروہان (نجات) کی بحث کی گئی ہے۔ موبد کی دبستان المذاہب میں ہندوؤں کے مختلف فرقوں سے متعلق بہت مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں[34]۔

4. مصوری

اگرچہ شاہجہاں کی خاص دلچسپی فن تعمیر کی توسیع سے تھی لیکن وہ مصوری سے بھی دلچسپی رکھتا تھا اور اس نے درباری روایت کے مطابق مصوروں کی سرپرستی بھی کی۔ اس کے دربار کے مصوروں میں محمد فقیر اللہ، منوہر، بچتر، نادر سمرقندی، میر محمد ہاشم، فتح چند، نواب چند اور چترمن نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ فقیر اللہ شاہی تصویر خانی کا نگران تھا اور اس کا نائب میر ہاشم اور نادر سمرقندی چینی روشنائی سے لاجواب شبیہ تیار کرتے تھے۔ میر ہاشم نے اکبری دور کے مشہور طبیب حکیم مسیح الزماں کی ایک تصویر بنائی، جسے انگلستان کے مشہور ماہر مصوری سر جوشارینالڈز نے خاص طور پر پسند کیا[35]۔ بچتر کو بھی شبیہ سازی اور روزمرہ کی اشیاء کی مصوری میں کافی مہارت حاصل تھی، اس دور میں منوہر کی وہ تصویر بہت پسند کی گئی جس میں داراشکوہ اپنے ایک خوبصورت گھوڑے پر سوار دکھایا گیا ہے[36]۔ بادشاہ کے علاوہ دوسرے اہل دربار جو فن مصوری کے سرپرست تھے، ان میں آصف خان، شاہزادہ داراشکوہ بھی شامل ہیں۔ داراشکوہ کا چالیس مختصر قلمی تصویروں کا منقش مرقع (البم) ہنوز باقی ہے جسے دیکھ کر اس وقت کے فن کا ایک اندازہ ہو سکتا ہے۔ فنی طریق کار میں کئی تبدیلیاں نمایاں ہیں، پہلی تو یہ کہ تخلیقی سرگرمی اور آمد کی کمی۔ اگرچہ بظاہر جسمانی ریاض برقرار ہے لیکن وضع یا تصور میں تنوع پیدا کرنے کی کوشش کم نظر آتی ہے۔ تصاویر پر لداؤ حاشیہ کا تعارف ہے جس کے بغیر اس دور میں کوئی تصویر نامکمل سمجھی جاتی تھی۔ کبھی کبھی ان حاشیوں کی وضع پر پھول پتی کی کثرت ہوتی ہے لیکن دوسری جگہ چھوٹی چڑیوں یا جانوروں کی تصویریں ہوتی ہیں نیز کثرت آرائی کا نمایاں رجحان تفصیلات و رنگ آمیزی میں نمایاں ہے۔ ان نقوش پر سونا بکثرت استعمال کیا گیا ہے، اس لحاظ سے اپنی آب و تاب کی نمائش میں تصاویر بھی اپنے دور کے فن تعمیر کی آواز بازگشت ہیں[37]۔ اس کے ساتھ اس دور کی مصوری میں مقامی خصوصیات اتنی بڑھ گئی تھیں کہ بیرونی اثرات پر وہ اسٹائل غالب آگیا تھا جو مغلوں کے دور میں جنم لے کر فروغ پا رہا تھا اور تمام تصاویر اس تہذیب و تمدن کے مطابق ہو گئی تھیں جو انڈو مسلم کلچر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے[38]۔ شاہجہاں کے پاس بھی مصوری کے البم تھے جو اب فریر گیلری واشنگٹن کے علاوہ انگلستان کے چسٹر بیٹی کے ذخیرون، وکٹوریہ اور البرٹ کے میوزیم اور انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہیں[39]۔

داراشکوہ نے بھی مصوری کی سرپرستی کی، اس نے اپنے مزاج کے مطابق بہت سی تصاویر تیار کروائیں۔ پرنس آف ویلز بمبئی کے میوزیم میں اس کی ایک تصویر ہے، مرقع گلشن ایران میں اس کی ایک نوجوانی کی تصویر ہے جب وہ اپنے والد کے ساتھ کھڑا شکار سے متعلق باتیں کر رہا ہے اس تصویر کے مصور کا نام چترمن ہے۔ اس کے ذوق کے مطابق ایسی تصاویر بھی بنائی گئیں جن میں درویشوں اور سنیاسیوں کے آستانے پر ہندو مسلم مرد اور عورتیں زائرین کی حیثیت سے دکھائی گئی ہیں، بعض تصاویر میں درویشوں کے عجز و نیاز کی تصویر کشی کی گئی ہے[40]۔

3. فن تعمیر

مغل بادشاہوں میں شاہجہاں کی خصوصی توجہ فن تعمیر کی ترقی سے وابستہ تھی۔اس دور میں زبان وادب نے جتنی ترقی کی اس سے کہیں زیادہ فن تعمیرات کو فروغ ملا۔شاہجہاں کو تعمیرات سے غیر معمولی دلچسپی تھی،اس کے زمانہ کی تعمیر کردہ عمارات فن انجینیری کی زندہ مثالیں ہیں۔ان عمارات میں دلکشی اور تازگی اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ برقرار ہے۔

اس دور کی عمارات کی شکل وصورت، وضع و قطع پر ماہرین فن کی کئی متضاد رائیں ملتی ہیں:۔ایک طرف وہ طبقہ ہے جو ہندوستان کو کسی ایسی فہم وفراست کا اہل سمجھنے میں تکلف کرتا ہے کہ وہ کوئی نئی چیز پیدا کر سکتا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ اس دور کی عمارات کی تشکیل میں زبردست بیرونی اثرات کار فرما ہیں۔دوسرا طبقہ وہ ہے جس کی رائے اس نظریہ کے خلاف ہے،اس کی رائے میں ان عمارات کی ساخت کا نظریہ ہندوستانی روایات کے ارتقا کا فطری نتیجہ ہے۔ایسے نازک وپیچیدہ مسئلہ پر قطعی فیصلہ ممکن نہیں لیکن یہ صاف نظر آتا ہے کہ حقیقت دونوں نظریات کے انتہائی حدود کے درمیان ہے حالانکہ یہ طرز تشکیل دو ثقافتوں کے امتزاج واثر کا ماحصل ہے۔یہ رویہ استقلال کے ساتھ نشو نما حاصل کرتا رہا یہاں تک کہ اس دور حکومت میں پایہ تکمیل کو پہنچا کیونکہ اس ذوق کو اب زور دسرپرستی؟ حاصل ہوئی۔[41] شاہجہاں کا ذوق تعمیر اس کے بالکل ابتدائی دور حیات سے شروع ہوتا ہے۔شہزادگی کے زمانہ میں بھی جو عمارتیں اسے دی جاتی تھیں ان کی تزئین وآرائش سے اسے خاص دلچسپی تھی، جب وہ بادشاہ بنا تو اپنے اس ذوق کو تقویت دی۔ شاہجہاں کو تعمیرات کا فطری شوق تھا،اسے اس سائنس میں پوری دسترس حاصل تھی، جب کسی عمارت کا کوئی نقشہ اس کے سامنے پیش کیا جاتا تو وہ ماہرین فن کو طلب کر کے پہلے مشورہ کرتا،اس کے حسن وقبح پر گفتگو کر لیتا تو اپنی منظوری دیتا۔اس کی خود بینی اور اعلیٰ حوصلگی ہمیشہ اسے اس بات پر آمادہ رکھتی کہ جو چیز ہو وہ اپنی جگہ پر مکمل اور نہایت اعلیٰ درجہ کی ہو۔اس ذوق نے تعمیرات میں بھی نیا سٹائل پیدا کر دیا،اسے نئی نئی عمارتیں بنانے کا ایسا شوق تھا کہ جہاں گیا عمارتیں بنوائیں۔شاہجہاں کی تعمیرات کی تفصیل پیش کرنے کا تو ذکر ہی کیا ان کی فہرست بھی قلم بند کرنا مشکل ہے۔اجمیر کی مسجد، مقبرہ شیخ معین الدین چشتی کے احاطہ میں اور اناساگر کی بارہ دری اس کے ذوق تعمیر کی پراثر شواہد ہیں۔عصری مؤرخین نے کشمیر، لاہور، انبالہ، فیض آباد، گوالیار اور کابل وغیرہ میں اس کی بنوائی ہوئی عمارات کو بیان کیا ہے مگران سب بیں محفوظ وبہترین حالت میں آگرہ اور دہلی کی عمارتیں ہیں[42]۔

شاہ جہاں نے استاد احمد کو جس نے تاج محل اور لال قلعہ کی تعمیر کی تھی "نادر العصر" کا خطاب دیا تھا[43]۔آگرہ کا قلعہ ان بے شمار عمارات کا مجموعہ ہے جو عہد اکبر سے لے کر عہد شاہجہاں میں نمودار ہوئیں۔شاہجہاں نے وہاں بھی دیوان عام ودیوان خاص اور شاہی مستورات کی قیام گاہیں تیار کرائیں،اس کے کمرے، غلام گردش خالص سفید سنگ مرمر کے ہیں، سب پرکار، نقش کاری اور عمدہ گل کاری سے آراستہ ہیں۔ثمن برج بھی خوب صورت عمارت ہے کبھی قیمتی جواہرات سے آراستہ تھی۔

قلعہ میں سب سے زیادہ خوش نما عمارت موتی مسجد ہے، اس کی تعمیر میں سات سال(1645-1653) لگے۔اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ عمارت فن کی تکمیل اور سادگی کے امتزاج کا بہترین نمونہ ہے۔اس کی تعمیر میں ایسے سفید سنگ مرمر کا استعمال ہوا ہے جو نمائشی نقوش آرائشی عنصر سے بے نیاز ہے۔شاہجہاں کی سب سے بڑی بیٹی جہاں آراء بیگم کی بنوائی ہوئی جامع مسجد قلعہ کے باہر شمال و مغرب کی سمت ہے۔ابھرے ہوئے نقوش کی یہ مسجد 1648 میں تیار ہوئی۔آگرہ کا حسن تاج محل ہے جس کا شمار دنیا کی حسین ترین عمارتوں میں ہوتا ہے۔خالص سفید سنگ مرمر، پیاز نما گنبد، حسین پردے اور پاکیزہ مرصع کام سے آراستہ یہ عمارت حسن کا ایک مجسمہ ہے۔ہندوستان کی تعمیری تاریخ میں ایسی عمارت کبھی نہیں بنی جس میں ایسی شوکت، سادگی، ہمواری اور ایسا تناسب ہو کہ اسے دیکھ کر آنکھوں کو فرحت محسوس ہو۔دلی محل اس دور میں متوازن ساخت کی بنا پر نہایت خوبصورت بنایا گیا، یہ فتح پور سیکری کے اکبری محل کی ساخت سے بالکل مختلف ہے دلی قلعہ کے باہر ایک بلند کرسی پر جامع مسجد کھڑی ہے جو تشکیل اور ساخت کے لحاظ سے موتی مسجد سے بالکل جداگانہ ہے[44]

دہلی کا لال قلعہ بھی اپنے تناسب اور ہمواری کے لحاظ سے یکتا ہے، یہ اپنے حسن و شوکت کی بنا پر مشرقی ممالک میں لاجواب ہے۔اس کے بڑے دروازہ سے اندر داخل ہوتے ہی ایک وسیع کمرہ نظر آتا ہے جس سے آگے چل کر ایک صحن ہے اس کے آگے نوبت خانہ ہے۔جس کے سامنے دیوان عام ہے، یہ آگرہ کے دیوان عام سے زیادہ شاندار ہے، پھر قلعہ کے شمالی جانب دیوان خاص ہے جو اپنی مرصع کاری کے لحاظ سے شاہجہاں دور کی تمام عمارات میں سب سے زیادہ پر شکوہ ہے۔اس میں تاج محل کی سی سادگی نہیں مگر یہ شاہجہاں کی شوکت و حشمت کے منتہائے کمال کے مظاہرہ کے لئے بنایا گیا تھا اور اس لحاظ سے یہ ایک مکمل نمونہ ہے۔لال قلعہ کے سامنے بلندی پر جامع مسجد ہے جو آگرہ کی موتی مسجد سے مختلف ہے اس میں لال قلعہ ہی کی وجاہت نظر آتی ہے ۔اس میں سنگ سرخ اسی لئے استعمال کیا گیا ہے کہ لال قلعہ میں بھی اسی رنگ کے پتھر لگے ہوئے ہیں[45]۔

خلاصہ بحث

شاہ جہاں کے عہد میں فنون لطیفہ کی تمام شاخوں پر کام کیا گیا اور حکومت کی طرف سے اس کی حوصلہ افزائی کی گئی۔زیر نظر دور میں مسلم غیر مسلم کی تفریق کیے بغیر حکومتی سطح پر شعراء، نثر نگاروں اور مصورین کی سرپرستی کی گئی۔ہندی کے مشہور شاعر چندر بھان، چنتامنی اور راجہ شمبھو ناتھ اس کے دربار سے وابستہ رہے، ان کی صلاحیتوں کے مطابق ان کی خوب حوصلہ افزائی کی گئی۔شاہجہاں نے سنسکرت اور ہندی زبان کی جو سرپرستی کی وہ اس کی مذہبی رواداری کا ثبوت ہے سنسکرت کے ایک مصنف منیشور اور وید رنگ راجہ نے علم نجوم پر سنسکرت میں ایک کتاب لکھ کر شاہجہاں کے نام سے معنون کی اسی طرح بھگوتی

سوامن نے سنسکرت عروض سے متعلق ایک کتاب تحریر کی تو یہ بھی شاہجہاں کے نام سے معنون ہوئی۔ شاہجہاں مصوری سے بھی دلچسپی رکھتا تھا اور اس نے درباری روایت کے مطابق مصوروں کی سرپرستی بھی کی۔ اس کے دربار کے مصوروں میں محمد فقیر اللہ، منوہر، بچتر، نادر سمرقندی، میر محمد ہاشم، فتح چند، نواب چند اور چترمن نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ شاہجہاں کی خصوصی توجہ فن تعمیر کی ترقی سے وابستہ تھی۔ اس دور میں بہت زیادہ فن تعمیرات کو فروغ ملا۔ موتی مسجد، اجمیر کی مسجد، انا ساگر کی بارہ دری، تاج محل اور لال قلعہ اس کے ذوق تعمیر کی پر اثر شواہد ہیں۔ عصری مؤرخین نے کشمیر، لاہور، انبالہ، فیض آباد، گوالیار اور کابل وغیرہ میں اس کی بنوائی ہوئی عمارات کو بیان کیا ہے مگر ان سب میں محفوظ و بہترین حالت میں آگرہ اور دہلی کی عمارتیں ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

1 جہانگیر کی وفات کے بعد آصف خان (آصف خان اعتماد الدولہ کا بیٹا، ملکہ نور جہاں کا بھائی تھا اور شاہ جہاں کا سسر بنا یعنی ملکہ ممتاز محل کا باپ تھا)(ہاشمی فرید آبادی: محمد بن قاسم سے اورنگ زیب عالمگیر تک، ص518، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور، 1989) نے پھرتی دکھاتے ہوئے ملکہ نور جہاں اور شہریار کو نظر بند کر دیا اور خسرو کے بیٹے شہزادہ داور بخش کو ہنگامی بادشاہ بنا کر شہزادہ خرم کو جلدی آگرہ بلوالیا۔ خرم دکن سے تین تین منزلیں طے کرتا ہوا چار مہینے میں آگرہ پہنچا۔ اس کے بعد شاہجہاں نے نے آصف خان کے پاس لاہور ایک فرمان بھیجا کہ خسرو کے بیٹے داور بخش، اور اس (خرم) کے بھائی شہریار اور دانیال کو ہلاک کر دیا جائے کیونکہ یہ کام ملک کے فائدے کے لیے ہو گا۔ (یعنی شاہ جہاں کے لے اندرونی کوئی خطرہ نہ ہو) داور بخش کو قید کر دیا گیا۔ 1628 میں داور بخش، شہریار اور دانیال کو ہلاک کر دیا گیا پھر شاہ جہاں کا نام خطبہ میں پڑھا گیا۔ 1628 میں سال شاہ جہاں آگرہ میں تخت نشین ہوا تخت نشینی کی رسم قلعہ میں ادا کی گئی آصف خان کو لاہور سے آگرہ بلا لیا گیا۔ آصف خان کو منصب ہشت ہزاری ذات نیز دو اور تین گھوڑے والے سوار دیئے، مہابت خان کو خانخاناں سپہ سالار کا خطاب عطا کیا، ہفت ہزاری کا منصب اور سات ہزار سوار دیئے اور اجمیر کا صوبیدار بنا دیا گیا۔ شاہجہاں نے تخت نشینی کے بعد سب سے پہلے رسم سجدہ تعظیمی کی ممانعت کی جو اس کے باپ دادا سے شروع ہوئی تھی سجدہ کی بجائے زمین بوسی کی رسم قرار پائی۔ شاہ جہاں نے کئی شادیاں کیں لیکن اس کی وہ اولاد جو آگے چل کر وارث تاج ہوئی وہ ملکہ ممتاز محل کے بطن سے ہوئی۔ شاہجہاں کے آٹھ بیٹے اور چھ بیٹیاں ممتاز محل سے جبکہ ایک بیٹی پرہیز بانو بیگم مرزا مظفر حسین صفوی کی بیٹی قندھار محل کے بطن سے تھی۔ شاہجہاں کے بیٹوں کے نام درج ذیل ہیں:۔ شجاع 1616، اورنگزیب 1618، مراد بخش 1624، اور داراشکوہ۔ 1631 میں ملکہ ممتاز محل انتقال کر گئیں اور باغ زین آباد (برہانپور) میں امانتاً دفن کر دی گئیں، کچھ دن بعد ان کی لاش آگرہ لائی گئی اور دریائے جمنا کے کنارے دفن کی گئیں۔ وہاں ایک بلند و شاندار مقبرہ تاج محل تعمیر کیا گیا۔ (مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی، مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی: تاریخ ملت (لاہور: ادارہ اسلامیات انارکلی، 1991) 3: 715

2 نفس مصدر 550:3

3 ایف۔ای کے ،ہسٹری آف ہندی لٹریچر، بحوالہ صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری(اسلام آباد: عباد پبلی کشنز، اسلام آباد، 2010ء)6: 167

4 لاہوری، عبدالحمید، بادشاہ نامہ (مطبع وسن اشاعت نامعلوم) 269:1

5 شیرانی، محمود، پنجاب میں اردو(لاہور، اردو بازار، 1992ء)ص 11

6 ڈاکٹر بنی پرشاد سکسینہ (مترجم ڈاکٹر سید اعجاز حسین)، تاریخ شاہجہاں(لاہور، پروگریسو بکس اردو بازار(س۔ن)ص: 229

7 نفس مصدر: 226

8 شیخ محمد اکرام: رود کوثر (،لاہور :ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ ،1994ء)ص: 448

9 صالح کمبوہ، شاہجہاں نامہ، (تلخیص و تہذیب، ممتاز لیاقت) (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ،2004ء)ص: 579

10 تاریخ شاہجہاں:229

11 ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، 167:2

12 نفس مصدر

13 ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، 167:2

14 تاریخ شاہجہاں:235

15 ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری167:2

16 تاریخ شاہجہاں: 222

17 ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری 167:2

18 نفس مصدر 168:2

19 ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری168:2

20 تاریخ شاہجہاں: 227

21 ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری189:2

22 تاریخ شاہجہاں: 228

23 ڈاکٹر مبارک علی، (ترتیب و تعارف) ، تاریخ اور مؤرخ (ڈاکٹر کے ایم اشرف کی تحریریں)(لاہور: فکشن ہاؤس مزنگ روڈ ،2002ء)ص: 135

24 ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری169:2

25 نفس مصدر 174:2

26 ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری 176:2

27 صباح الدین عبدالرحمٰن، مقالات سلیمان, (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، 1989ء)1: 35

28 تاریخ اور مؤرخ: 72

29 مقالات سلیمان 36:1

30 ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری 164:3

31 مقالات سلیمان، 357:1

32 ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری 167:2

33 نفس مصدر 168:2

34 ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری 168:2

35 اسمتھ، وی۔اے، فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون: 195

36 صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے (لاہور: روہتاس بکس ٹیمپل روڈ (س۔ن) ص: 607

37 تاریخ شاہجہاں: 235

38 ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے: 608

39 نفس مصدر: 611

40 ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے: 611

41 تاریخ شاہجہاں: 231

42 نفس مصدر: 232

43 ابوالفضل علامی، آئین اکبری، (مترجم مولوی محمد فدا علی) (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، اردو بازار، 2007ء) ص: 235

44 تاریخ شاہجہاں: 233

45 ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری 193:2